

دور حاضر میں دین اسلام پر مضبوطی سے قائم رہنے کا آسان طریقہ

قرآن کریم کی ایک مشہور سورۃ النحل کی آیت ۹۰ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ** ترجمہ: بے شک اللہ حکم فرماتا ہے انصاف اور نیکی اور رشتہ داروں کے دینے کا اور منع فرماتا ہے بے حیائی اور بری بات اور سرکشی سے (کنز الایمان) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں عدل، احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح حدیث کی مستند کتاب ترمذی اور مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم جہاں بھی رہو اللہ سے ڈرو اور گناہ کے بعد نیکی کرو تا کہ گناہ مٹ جائے اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔ اس مقدس حدیث میں آپ نے لوگوں کے ساتھ خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، حسن سلوک کی وصیت فرمائی۔ حسن سلوک کا معاملہ صرف مسلمانوں کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

استقامت فی الدین یعنی دین اسلام پر مضبوطی سے قائم رہنا ایک مومن مسلمان کے لیے ایمان کا لازمی حصہ ہے۔ ہر دور میں فرق باطلہ اور تشدد پسند عناصر دین اسلام اور اس کے ماننے والوں کے خلاف برسر پیکار ہوئے لیکن سنی صحیح العقیدہ مسلمانوں نے دین اسلام پر مضبوطی سے قائم رہ کر استقامت فی الدین کا بہترین مظاہرہ کیا۔ دور حاضر میں بھی مذموم عناصر اس کام میں مصروف عمل ہیں لیکن ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ ہم دین اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر، سنت نبوی کے عامل بن کر، مستحبات و نوافل کی بجا آوری کر کے استقامت فی الدین کا مظاہرہ کریں اور ان کے ناپاک عزائم و منصوبوں کو ڈھیر کر دیں۔

ہمارے لیے حضور ﷺ اور آپ کے اصحاب کی زندگی بہترین نمونہ عمل ہے جو آپ نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں گزاری اور ہمیں یہ تعلیم دی کہ جب کفار و مشرکین کا غلبہ اور ظلم ستم ہو تو کس طرح اسلام پر قائم رہ کر اس کے احکام کو بجالائیں اور جب مسلمان غالب ہوں تو اسلام کے احکام کو بجانے کے ساتھ ساتھ غیروں پر کس طرح نرمی کریں یہ بھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ** (سورۃ السجدة، آیت: ۳۰) ترجمہ: بے شک جنہوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے، ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور خوش ہو اس جنت پر جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا۔ (کنز الایمان)

اس آیت کی تفسیر میں فرمایا گیا کہ جن لوگوں نے اپنے ایمان کا یوں اقرار کیا کہ ہمارا رب صرف اللہ تعالیٰ ہے، پھر اس پر ثابت قدم رہے، ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے اترتے، انہیں تسلی و بشارتیں دیتے اور جنت کی خوش خبری سناتے ہیں۔

آیت میں اصحاب استقامت پر فرشتوں کے اترنے کا تذکرہ ہے۔ فرشتوں کا یہ اترنا دنیا میں بھی ہوتا ہے اور موت کے وقت بھی۔ دنیا میں فرشتے اتر کر مسلمانوں کے دلوں میں اطمینان، تسلی اور ثابت قدمی القا کرتے ہیں، انہیں ہمت دلاتے، حوصلہ بڑھاتے اور دشمن کے مقابلے میں جوش دلاتے ہیں۔ انہیں باطل کی قوت و طاقت سے نہ ڈرنے اور راہ حق میں دی جانے والی جانی، مالی قربانیوں پر رنج و غم نہ

کرنے کی تلقین کرتے ہیں، ان کے دل و دماغ میں آخرت کی رغبت، جنت کی محبت، رضائے الہی کی عظمت اور قرب الہی کا شوق بڑھاتے ہیں۔ دنیا میں فرشتوں کے اُترنے کا تذکرہ قرآن پاک میں موجود ہے ”إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (سورہ انفال، آیت: ۱۲، پ: ۹)

ترجمہ: جب اے محبوب! تمہارا رب فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، تم مسلمانوں کو ثابت رکھو، عنقریب میں کافروں کے دلوں میں ہیبت ڈالوں گا تو کافروں کی گردنوں سے اوپر مارو اور ان کی ایک ایک پور پر ضرب لگاؤ۔ (کنز الایمان)

دنیا میں فرشتوں کا اُترنا تو واضح ہے لیکن ہر کوئی انہیں دیکھ نہیں سکتا۔ جس پر اللہ تعالیٰ خاص کرم فرمادے وہ دیکھ سکتا ہے۔ لیکن موت کے وقت فرشتے اُترتے ہیں تو انسان انہیں دیکھتا ہے اور ان کی آواز بھی سنتا ہے۔ اس وقت فرشتے اسے کہتے ہیں کہ دنیا اور دنیا والوں کو تم چھوڑ کر جا رہے ہو، ان پر غم نہ کرو اور آخرت کی آنے والی منزلوں کا خوف نہ کرو، ہم دنیا و آخرت میں تمہارے دوست ہیں۔ فرشتے مزید کہتے ہیں کہ تمہیں جنت کی خوش خبری ہو جس کا دنیا میں تم سے وعدہ کیا گیا تھا اور یہ جنت کی نعمتیں غفور و رحیم رب عز و جل کی طرف سے مہمانی ہیں۔ یوں جنت کی بشارتیں اور فرشتوں کا تسلی آمیز خطاب سنتے ہوئے صاحب استقامت دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔

استقامت کا معنی! ایمان، اعمالِ صالحہ، گناہوں سے اجتناب پر ڈٹے رہنا استقامت کہلاتا ہے۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ استقامت یہ ہے کہ ایمان ضائع نہ ہو، نیک اعمال مثلاً نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ترک نہ ہو۔ تلاوت، ذکر، درود، تسبیحات و اذکار، صدقات و خیرات، دوسروں کی خیر خواہی وغیرہا پر ہمیشگی ہو۔ تمام گناہوں سے بچنے کی عادت پختہ رہے۔ یہ تمام چیزیں استقامت میں داخل ہیں۔ البتہ ہر استقامت کا حکم جدا ہے، جیسے صحیح عقائد پر جمے رہنا سب سے بڑا فرض ہے۔ فرائض پر ہمیشگی بھی فرض ہے۔ گناہوں سے بچتے رہنا بھی لازم ہے اور مستحبات کی پابندی اعلیٰ درجے کا مستحب ہے۔

استقامت کی قسمیں:

(۱) ایمان پر استقامت جیسے حضرت بلال، حضرت عمار بن یاسر، حضرت سُمَیہ، حضرت خباب بن ارت اور دیگر کثیر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کہ جنہیں ایمان لانے کے بعد شدید آزمائشوں سے گزرنا پڑا لیکن وہ ایمان پر ڈٹے رہے چنانچہ آج ایمان پر استقامت کا نام آتے ہی ان مبارک ہستیوں کا تصور ذہن و دماغ گردش کرنے لگتا ہے۔ ایمان پر استقامت کی عظمت کے متعلق نبی کریم ﷺ کا بڑا خوب صورت فرمان ہے: تین چیزیں جس شخص میں ہوگی وہ ایمان کی مٹھاس پائے گا: (۱) جسے اللہ اور اس کا رسول ﷺ سب سے زیادہ محبوب ہو۔ (۲) جو کسی آدمی سے خاص اللہ ہی کے لیے محبت رکھتا ہو۔ (۳) جو اسلام قبول کرنے کے بعد پھر کفر میں جانا اتنا ہی ناپسند کرتا ہو جتنا آگ میں جھونک دیا جانا ناپسند کرتا ہے۔ (بخاری: ج ۱، ص: ۱۷، حدیث: ۱۶)

(۲) فرائض پر استقامت یہ ہے کہ کبھی ترک نہ ہوں جیسے نماز کے متعلق قرآن میں فرمایا ”وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ“ (سورہ مومنون، آیت: ۹) ترجمہ: اور وہ جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں۔ (کنز الایمان)

اور فرمایا ”الَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ“ (سورہ معارج، آیت ب: ۲۳) ترجمہ: جو اپنی نماز کے پابند ہیں۔ (کنز الایمان)

(3) مستحبات پر استقامت یعنی ان پر ہمیشگی ہو جیسے تلاوت، ذکر، دُرود، صدقہ، حُسنِ اخلاق، عفو و کرم اور تہجد وغیرہا پر استقامت۔ یہ استقامت بھی اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے ایک فرمان میں تہجد کی ترغیب ملاحظہ فرمائیں: ایک مرتبہ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے سامنے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا تذکرہ کیا، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عبداللہ ایک اچھا شخص ہے، کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ تہجد بھی ادا کرتا۔ (مسلم، ص ۱۰۳۲، حدیث: ۶۳۷۰)

ایک موقع پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ارشاد فرمایا: اے عبداللہ! تم فلاں کی طرح نہ ہونا، جو رات میں قیام کرتا تھا (یعنی نفل نمازیں پڑھتا تھا) پھر اس نے رات میں قیام کرنا چھوڑ دیا۔ (مسلم، ص: ۴۵۲، حدیث: ۲۷۳۳)۔

مستحبات پر استقامت کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے جسے ہمیشہ کیا جائے اگرچہ وہ قلیل ہی کیوں نہ۔ (بخاری، ص: ۲۳۷، حدیث: ۶۴۶۴)

اپنا محاسبہ:

استقامت کا لفظ ہم بارہا سنتے، پڑھتے ہیں مگر ہمیں اپنی ذات میں غور بھی کرنا چاہیے کہ کیا ہمیں نیکیاں کرنے اور گناہوں سے بچنے پر استقامت حاصل ہے کہ نہیں؟

وقتی جذبات میں آکر نوافل، تلاوت، ذکر و دُرود اور درس و مطالعہ سب شروع کر دیتے ہیں لیکن چند ہی دنوں میں ہمارے جذبات ٹھنڈے اور اعمال غائب ہو جاتے ہیں۔ یونہی ماہ رمضان میں یا نیک اجتماع میں یا مرید ہوتے وقت گناہ چھوڑنے کا پختہ ارادہ کرتے ہیں اور چند دن جوش و خروش سے خود کو گناہوں سے بچا بھی لیتے ہیں مگر تھوڑے دنوں بعد وہی گناہوں کا بازار گرم ہوتا ہے اور ہم سر سے پاؤں تک گناہوں میں لتھڑے ہوتے ہیں۔ نیک ارادوں پر استقامت کا ذہن بنانے اور ثابت قدمی دکھانے میں سب سے مفید و اہم چیز قوتِ ارادی اور ہمت نہ ہارنا ہے۔ اس بنیادی نکتے کو ذہن میں بٹھالیں، اِنْ شَاءَ اللہ استقامت نصیب ہو جائے گی۔

استقامت فی الدین کے نادر نمونے:

استقامت فی الدین یہ ہے کہ اللہ کے تمام احکام و اوامر پر سیدھے جے و ڈٹے رہے، اس سے ادھر ادھر راہِ فرار نہ اختیار کرے بلکہ اس راہ میں جو مصائب و مشکلات و مسائل پیش آئیں، مخالفتیں ہوں اور ستایا جائے تو اس پر صبر کر لیا جائے اور حق سے منہ موڑنے کے بجائے اسی راستے پر ثابت قدمی کے ساتھ آگے بڑھا جائے، علامہ ابن القیم الجوزی رحمہ اللہ نے استقامت کی تعریف یوں بیان کیا ہیں:

”الإستقامة كلمة جامعة آخذة بمجامع الدين، وهي القيام بين يدي الله على حقيقة الصدق والوفاء“، یعنی لفظ استقامت ایک جامع کلمہ ہے جو دین کے تمام گوشے کو شامل ہے، یعنی صدق و وفا کے ساتھ اور صبر و شکیبائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مکمل طور پر شریعت اسلامیہ پر عمل کیا جائے“ (تہذیب مدارج السالکین: ۹۲۵)

استقامت پر بہت ساری آیتیں موجود ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

”قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ إِلَهُ وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ“ (سورہ فصلت/حم السجدۃ، آیت: ۶) ترجمہ: تم فرماؤ آدمی ہونے میں تو میں تمہیں جیسا ہوں مجھے وحی ہوتی ہے کہ تمہارا معبود

ایک ہی معبود ہے تو اس کے حضور سیدھے رہو اور اس سے معافی مانگو اور خرابی ہے شرک والوں کو۔ (کنز الایمان)

”فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ“ (سورہ ہود، آیت: ۱۱۲) ترجمہ: تو قائم رہو جیسا

تمہیں حکم ہے اور جو تمہارے ساتھ رجوع لایا ہے اور اے لوگو سرکشی نہ کرو بیشک وہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔ (کنز الایمان)

”فَلِذَلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمْ“ (سورہ شوری، آیت: ۱۵) ترجمہ: تو اسی لیے بلاؤ اور ثابت

قدم رہو جیسا تمہیں حکم ہوا ہے اور ان کی خواہشوں پر نہ چلو۔ (کنز الایمان)

ایک صحابی (حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی رضی اللہ عنہ) نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ مجھے ایسی بات بتلا دیں کہ آپ کے بعد کسی

سے مجھے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ رہے آپ ﷺ نے فرمایا ”قُلْ: آمَنْتُ بِاللَّهِ فَاسْتَقِمْ“ ترجمہ: ”کہہ! میں اللہ پر ایمان لایا پھر استقامت اختیار کر“ (صحیح مسلم: ۸۳)

مَصَائِبُ وَأَلَامٌ مِّمَّنْ اِيْمَانٍ پَر ثَابِتِ قَدَمِ رَہْنِے كِی ترغیب:

ایسی حالت میں ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ کائنات کے سردار، دو عالم کے تاجدار، حبیب پروردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو راہ خدا میں آنے والی تکلیفوں اور ان پر ان عظیم ہستیوں کے صبر کرنے کو یاد کرے تاکہ دل کو تسلی حاصل ہو، تکلیفوں پر صبر کرنا آسان ہو اور ایمان و اسلام پر ثابت قدمی نصیب ہو۔ ترغیب کے لئے یہاں حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اور آپ کے مخلص اور جانثار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو راہ خدا میں آنے والی تکالیف کی جھلک اور ان کے صبر کا حال ملاحظہ ہو، چنانچہ سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ کفار مکہ خاندان بنو ہاشم کے انتقام اور لڑائی بھڑک اٹھنے کے خوف سے حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو قتل تو نہیں کر سکے لیکن طرح طرح کی تکلیفوں اور ایذا رسانیوں سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم پر ظلم و ستم کا پہاڑ توڑنے لگے، چنانچہ یہ لوگ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے کاہن، جادوگر، شاعر اور مجنون ہونے کا ہر کوچہ و بازار میں زوردار پروپیگنڈہ کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے پیچھے شریر لڑکوں کا غول لگا دیا جو راستوں میں آپ پر پھبتیاں کستے، گالیاں دیتے اور ”یہ دیوانہ ہے، یہ دیوانہ ہے“ کا شور مچا مچا کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے اوپر پتھر پھینکتے۔ کبھی کفار مکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے راستوں میں کانٹے بچھاتے۔ کبھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے مبارک جسم پر نجاست ڈال دیتے۔ کبھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو دھکا دیتے۔ کبھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی مقدس اور نازک گردن میں چادر کا پھندہ ڈال کر گلا گھونٹنے کی کوشش کرتے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم قرآن شریف کی تلاوت فرماتے تو یہ کفار قرآن اور قرآن کو لانے والے یعنی حضرت جبریل علیہ السلام اور قرآن کو نازل فرمانے والے یعنی اللہ تعالیٰ کو اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو گالیاں دیتے اور گلی کوچوں میں پہرہ ٹھادیتے تاکہ

قرآن کی آواز کسی کے کان میں نہ پڑنے پائے اور تالیاں پیٹ پیٹ کر اور سیٹیاں بجا بجا کر اس قدر شور و غل مچاتے کہ قرآن کی آواز کسی کو سنائی نہیں دیتی تھی۔ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم جب کہیں کسی عام مجمع میں یا کفار کے میلوں میں قرآن پڑھ کر سناتے یا دعوت ایمان کا وعظ فرماتے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا چچا ابولہب آپ کے پیچھے چلا چلا کر کہتا جاتا تھا کہ اے لوگو! یہ میرا بھتیجا جھوٹا ہے، یہ دیوانہ ہو گیا ہے، تم لوگ اس کی کوئی بات نہ سنو، (مَعَاذَ اللہ)۔ ایک مرتبہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ”ذوالحجاز“ کے بازار میں دعوت اسلام کا وعظ فرمانے کے لئے تشریف لے گئے اور لوگوں کو کلمہ حق کی دعوت دی تو ابو جہل آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم پر دھول اڑاتا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ اے لوگو! اس کے فریب میں مت آنا، یہ چاہتا ہے کہ تم لوگ لات و عُرّیٰ کی عبادت چھوڑ دو۔

حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے ساتھ ساتھ غریب مسلمانوں پر بھی کفار مکہ نے ایسے ایسے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے کہ مکہ کی زمین ہلچلا اٹھی۔ یہ آسان تھا کہ کفار مکہ ان مسلمانوں کو ایک دم قتل کر ڈالتے مگر اس سے ان کافروں کے جوش انتقام کا نشہ نہیں اتر سکتا تھا کیونکہ کفار اس بات میں اپنی شان سمجھتے تھے کہ ان مسلمانوں کو اتنا ستاؤ کہ وہ اسلام کو چھوڑ کر پھر شرک و بت پرستی کرنے لگیں، اس لئے قتل کر دینے کی بجائے کفار مکہ مسلمانوں کو طرح طرح کی سزاؤں اور ایذا رسانیوں کے ساتھ ستاتے تھے اور کفار مکہ نے ان غریب مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے اور ایسے ایسے روح فرسا اور جاں سوز عذابوں میں مبتلا کیا کہ اگر ان مخلص مسلمانوں کی جگہ پہاڑ بھی ہوتا تو شاید ڈم گمانے لگتا۔ صحرائے عرب کی تیز دھوپ میں جب کہ وہاں کی ریت کے ذرات تنور کی طرح گرم ہو جاتے، اس وقت ان مسلمانوں کی پشت کو کوڑوں کی مار سے زخمی کر کے اس جلتی ہوئی ریت پر پیٹھ کے بل لٹاتے اور سینوں پر اتنا بھاری پتھر رکھ دیتے کہ وہ کروٹ نہ بدلنے پائیں، لوہے کو آگ میں گرم کر کے ان سے ان مسلمانوں کے جسموں کو داغتے، پانی میں اس قدر ڈبکیاں دیتے کہ ان کا دم گھٹنے لگتا، چٹائیوں میں ان مسلمانوں کو لپیٹ کر ان کی ناکوں میں دھواں دیتے جس سے سانس لینا مشکل ہو جاتا اور وہ کرب و بے چینی سے بدحواس ہو جاتے۔ الغرض سنگدل، بے رحم اور درندہ صفت کافروں نے ان غریب و بیکس مسلمانوں پر جبر و اکراہ اور ظلم و ستم کی کوئی صورت باقی نہیں چھوڑی مگر ایک بھی مخلص مسلمان کے پائے استقامت میں ذرہ برابر تزلزل پیدا نہیں ہوا۔

یہ مصیبتیں اگرچہ تمام بے کس مسلمانوں پر عام تھیں لیکن ان میں جن لوگوں پر قریش زیادہ مہربان تھے، ان کے نام یہ ہیں:

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عالم جوانی میں اسلام قبول کیا مگر آپ غلام تھے۔ اس زمانہ میں عرب کے غلام جو حیثیت رکھتے تھے وہ تاریخ دان اصحاب سے پوشیدہ نہیں۔ کسی غلام کا اپنے آقا کی مرضی کے خلاف ادنیٰ سے ادنیٰ حرکت کرنا بھی گویا اپنی موت کو دعوت دینا تھا۔ اور پھر اسلام کو قبول کرنا جسے مٹا دینے کے لیے کفار کی تمام طاقتیں وقف تھیں۔ کوئی آسان بات نہ تھی۔ امیہ بن خلف آپ کو چلچلاتی دھوپ میں جب کہ مکہ کی زمین آگ اگل رہی ہوتی گرم ریت پر لٹاتا اور سینہ پر بھاری پتھر رکھ دیتا تھا تا کہ آپ حرکت نہ کر سکیں۔ اور کہتا کہ تو بہ کرو ورنہ یونہی سسک سسک کر جان دینی ہوگی۔ مگر آپ کی زبان سے عین اس حالت میں بھی ”أَحَدًا أَحَدًا“ کی آواز نکلتی تھی۔ یعنی اللہ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔

حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد یاسر بن عامر یمن سے آ کر مکہ میں آباد ہوئے تھے۔ ان کے حلیف ابو حذیفہ نے اپنی لونڈی

حضرت سمیہ کے ساتھ ان کی شادی کردی۔ جب مکہ میں آفتاب رسالت طلوع ہوا تو یہ تینوں بزرگ ابتداءِ ایام میں ہی قبول صداقت کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت عمار اس وقت عمر کی ابتدائی منازل طے کر رہے تھے۔ مسلمانوں کی تعداد (دیکھنا) ہی تھی کہ باپ ماں اور بیٹا مسلمان ہو گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مکہ کے ذی وجاہت مسلمان بھی قریش کی ستم رانی سے محفوظ نہ تھے تو اس غریب الوطن خاندان کا کیا حال ہوگا۔ بنی مخزوم نے اس خاندان کو سخت مظالم کا تختہ مشق بنایا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ان بے چاروں پر مظالم کی انتہا کردی اور ایسی وحشت و بربریت کا ثبوت دیا کہ آج بھی اس کا ذکر آنے پر انسانیت کی جبین عرق ندامت سے تر ہو جاتی ہے۔ دنیا میں سنگین سے سنگین جرائم پر اتنی شدید سزا کی مثال شاید ہی تاریخ پیش کر سکے جو ان بے بس اور بے کس لوگوں کو محض اسلام قبول کرنے پر دی جاتی تھی۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت عمار کی والدہ کو ابو جہل نے شرمگاہ میں نیزہ مار کر شہید کر دیا۔ لیکن یہ انجام دیکھنے کے باوجود بھی وہ مستقل رہے۔ اور ان کے قلوب میں نور ایمان کی جوشع روشن ہو چکی تھی۔ مظالم کی شدید ترین آندھیاں اور جبر و ستم کے بے پناہ طوفان اسے گل نہ کر سکے۔ حضرت یاسر بھی بوجہ ضعیف العمری ان شدائد سے جانبر نہ ہو سکے اور انتقال فرما گئے۔ حضرت عمار کو قریش دو پہر کے وقت انگاروں پر لٹاتے، پانی میں غوطے دیتے ایک مرتبہ انہیں انگاروں پر لٹایا جا رہا تھا کہ آنحضرت ﷺ کا اس طرف سے گزر ہوا۔ آپ نے حضرت عمار کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا ”یا نار کونی برداً و سلاماً علی عمار کما کنت علی ابراہیم“ اچھا ہونے کے بعد آپ کی پیٹھ پر زخموں کے نشانات باقی رہے لیکن ان پیہم صدمات اور ان تکالیف کے باوجود جو خود حضرت عمار کو دی جاتی تھیں، ان کے ایمان میں کوئی لغزش نہ آئی۔ اور وہ نہایت پامردی سے اس پر قائم رہے۔ ایمان ان کے نزدیک دنیا کی ہر چیز بلکہ اپنی جانوں سے بھی زیادہ قیمتی چیز تھی۔ جس کی حفاظت وہ ہر چیز سے زیادہ ضروری سمجھتے تھے۔

حضرت خباب بن ارت کو بھی طرح طرح کے مظالم کا تختہ مشق بنایا جاتا تھا۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ مشرکین انگارے دھکاتے اور مجھے ان پر لٹا دیتے اور اس پر بھی جب ان وحشیوں کا شوق ستم رانی پورا نہ ہوتا تو ایک شخص سینہ پر سوار ہو جاتا کہ جنبش نہ کر سکوں۔ اور اس طرح اس وقت تک مجھے لٹائے رکھتے جب تک کہ جسم سے رطوبت نکل نکل کر آگ کو سرد نہ کر دیتی۔ لیکن یہ مرد مجاہد آئے دن کے ان مصائب کے باوجود اپنے ایمان پر مستقل رہے۔ اور کسی مہانت سے کام لے کر بھی ان تکالیف سے نجات حاصل کرنے کا خیال دل میں نہ لائے۔

مشکل حالات کا مقابلہ کرنے کے کچھ طریقے:

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ جس پر مشکل آتی ہے اس کو وہی سمجھ سکتا ہے کوئی اور نہیں محسوس کر سکتا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جب تک زندگی ہے مشکلات کا سامنا تو ہوتا رہے گا۔ اس لئے مشکل حالات کا مقابلہ کرنے کے حوالے سے کچھ طریقے ہیں جن کی مدد سے ان شاء اللہ ہم احسن انداز سے مشکل حالات کا مقابلہ کر لیں گے۔

(۱) خود پر قابو رکھیں اور صبر کریں: کسی بھی قسم کی مشکل آنے پر رد عمل کے طور پر ہمارے اندر دو قسم کے خیالات پیدا ہوتے ہیں، ایک مثبت، دوسرا منفی۔ منفی سوچ ہمیں شدید قسم کے خوف، غم، گھبراہٹ اور غصے میں مبتلا کرتی ہے جبکہ مثبت سوچ ہمیں برداشت، ہمت اور مسئلے

کے حل کا راستہ دکھاتی ہے چنانچہ کسی بھی قسم کی صورتحال میں منفی سوچ کو خود پر حاوی نہ ہونے دیجئے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ مشکل حالات میں گھبرانا اصل مشکل ہے۔ خود پر قابو رکھنے کی صلاحیت کو بہتر بنا کر ہم مشکل کی شدت کو 50 فیصد تک کم کر سکتے ہیں۔

(۲) اللہ کا ذکر کریں: بے شک اللہ کی یاد میں دلوں کا چین ہے، اس لئے جب کبھی مشکل میں پھنس جائیں تو اپنے خالق و مالک ربِّ کائنات کا ذکر بکثرت کریں، دل کو اطمینان ملے گا۔ اگر ہو سکے تو بری خبر کے ملنے پر ”إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“ اور کثرت سے توبہ کریں، اس کی فضیلت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے یوں بیان فرمایا: جو مصیبت کے وقت ”إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی پریشانی دور فرما دیتا ہے اور اس کے کام کا انجام اچھا فرماتا ہے اور اسے ایسا بدل عطا فرماتا ہے جس پر وہ راضی ہو جاتا ہے۔

(۳) کچھ نہ کچھ مشکل آتی ہے: اپنا ذہن بنا لیجئے کہ مومن کی زندگی میں کچھ نہ کچھ مشکلات اور مصیبتیں ضرور آتی ہیں، ہمارا رب ارشاد فرماتا ہے: ”وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ“ ترجمہ: اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے۔ (کنز الایمان)

(۴) جس مشکل یا مصیبت کا پہنچنا تقدیر میں لکھا ہے وہ پہنچ کر رہے گی: یہ سوچ بنانے سے ایک تو ہمارا تقدیر پر ایمان مضبوط ہوگا اور دوسرا ہمارے دل و دماغ میں یہ بات پختہ ہو جائے گی کہ یہ مشکل میرے ربِّ جلیل کی طرف سے ہے وہی اس کو دور بھی فرمائے گا۔ فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ہے: بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اچھی بُری تقدیر پر ایمان نہ لے آئے اور اس بات پر یقین نہ کرے کہ اسے جو مصیبت پہنچنے والی ہے وہ اس سے خطا نہ ہوگی اور جو اس سے خطا ہونے والی ہے وہ اسے نہیں پہنچ سکتی۔

(۵) اگر مگر میں نہ پڑیں: بعض لوگ اگر مگر کے چکر میں پڑ جاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ کرتے تو ایسا نہ ہوتا۔ اگر ہم اپنے مریض کو فلاں اسپتال لے جاتے تو یہ زندہ بچ جاتا وغیرہ۔ اس طرح کے جملے بولنے سے مشکل کا احساس مزید بڑھ جاتا ہے اور صدمے میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ یہ انداز اختیار کرنے سے ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے منع کرتے ہوئے فرمایا: اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو یہ مت کہو ”اگر میں ایسا کرتا تو ایسا ہوتا“ بلکہ یہ کہو: ”قَدَّرَ اللّٰهُ وَمَا شَاءَ فَعَلَ“ یعنی اللہ نے ایسا ہی لکھا تھا اور اس نے جو چاہا وہی کیا۔ کیونکہ ”اگر“ کا لفظ شیطانی عمل کی ابتداء کرتا ہے۔

(۶) ایک دن مشکل ختم ہو جائیگی ان شاء اللہ: مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں اس بات کا یقین رکھنا چاہئے کہ جس طرح دنیاوی زندگی عارضی اور مختصر ہے اسی طرح اس زندگی کے دوران پہنچنے والی مصیبتیں اور مشکلیں بھی عارضی ہیں جو آج نہیں تو کل ختم ہو جائیں گی۔ اس کا ثبوت چاہئے تو اپنی گزشتہ زندگی میں جہانک کر دیکھ لیجئے کہ کیسی کیسی مشکلیں آئیں ہوں گی لیکن کچھ وقت گزرنے کے بعد آسان ہو گئی ہوں گی اس کا اندازہ اصحابِ رسول ﷺ کے ہجرت سے پہلے اور بعد کے واقعات سے لگا سکتے ہیں۔

(۷) اپنی مشکلات کا ذمہ دار کسی اور کو ٹھہرانے کے بجائے یہ ذہن بنائیے کہ اس کا سبب میرے گناہ ہیں اور سچی توبہ کی طرف قدم بڑھائیے، قرآن پاک میں ارشاد ہے: ”وَمَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ“ ترجمہ: اور تمہیں جو مصیبت پہنچی

وہ اس کے سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور بہت کچھ تو معاف فرما دیتا ہے۔ (کنز الایمان)

(۸) پریشانی سے توجہ ہٹا لیجئے اور اپنی توجہ کسی اور طرف پھیر لیں: فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ہے: ”مَنْ كَثُرَ هَمُّهُ، سَقَمَ بَدَنُهُ“، یعنی جس کی فکریں زیادہ ہو جاتی ہیں اس کا بدن سقیم (یعنی بیمار) ہو جاتا ہے۔ اپنا حوصلہ بڑھائیے، مشکل کے حل کی طرف قدم بڑھانے کے لئے اپنا ذہن بنائیے، جذبہ ابھاریے۔ اس کے لئے بزرگانِ دین کی سیرت کی طرف نظر دوڑائیے کہ انہیں اپنی زندگی میں کیسی کیسی مشکلات کا سامنا ہوا۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود جیسے ظالم بادشاہ نے تکالیف دیں حتیٰ کہ آگ میں جلانے کی کوشش کی، حضرت ایوب علیہ السلام کو طویل صبر آزمائی میں مبتلا رہے، حضرت یعقوب علیہ السلام کو طویل عرصہ اپنے پیارے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی برداشت کرنی پڑی، حضرت یوسف علیہ السلام کو ظلماً جیل میں ڈال دیا گیا، حضرت یونس علیہ السلام ایک مدت تک مچھلی کے پیٹ میں رہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کو فرعون جیسے ظالم و جابر بادشاہ نے مشکل بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، خود ہمارے پیارے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو کافروں نے طرح طرح سے ستایا، لیکن ان پاکیزہ شخصیات نے صبر و ہمت کے پیکر بن کر ان مشکلات کا سامنا کیا۔ تو آج کے نمرود اور فرعون ہمارا کیا بگاڑے گا۔

(۹) مشکل کے حل کی طرف عملی قدم سے پہلے اپنے ربِّ کریم سے دعا مانگئے: علماء لوگوں کو صحیح راستہ بتائیں، غلط کاری سے بچائیں، خاص کر خلافِ شرع کام کو انجام دینے سے۔ اور عوام اپنا پیشوا صحیح انسان کو بنائے پھر ضرورتاً تجربہ کار اور مہارت رکھنے والے افراد سے مشورہ کرے اور ان کے بتائے مشورے پر عمل کرے، اپنی من مانی سے گریز کرے اور ان مشکلات کے حل کی طرف قدم بڑھائے۔ ان شاء اللہ کامیابی ضرور ملے گی۔

مولانا عقیل احمد صدیقی

معلم: دارالعلوم شیخ احمد کھٹوسر خیز